کربلا اور اخلاقی اقدار

سید نامدار عباس رضوی

انسانی حیات، تین بنیادی اصولوں پر استوار ہوتی دکھائی دیتی ہے: عقیدہ (belief)، احکام (tenets and commandments) (یا عبادات) اور اخلاق (Ethics)، وہ زندگی سراسیمگی، پریشاں سامانی اور تحیر کا شکار رہتی ہے جس کی بنیاد کسی عقیدہ پر نہیں ہوتی، لہٰذا ہر دور اور ہر زمانے میں

بدعقیدہ افراد تو مل جاتے ہیں لیکن بے عقیدہ شاذ ونادر ہی نظر آتے ہیں، انسان غلط اور بیہودہ عقائد کا شکار تو ہو جاتا ہے لیکن یہ پسند نہیں کرتا کہ کوئی اسے لامذہب کہے، اس کا سبب بھی منطقی ہے اور وہ یہ کہ خداوند عالم نے ہر انسان کی فطرت میں خدا جوئی رکھی ہے چنانچہ انسان اپنے فطری تقاضوں کے تحت خدا کی تلاش میں سرگرداں رہتا ہے اور کبھی مقصود تک پہونچتا ہے تو کبھی بے خبری و بے راہ روی کا شکار ہو جاتا ہے، انسانی فطرت کی اسی بے خبری اور بے راہ روی کو علامہ اقبالؔ نے فارسی کے چار مصرعوں میں یوں بیان کیا ہے ؎

آدم از بی خبری بندگی آدم کرد
گوھری داشت ولے نذر قباد و جم کرد
آدم از خوئے عبادت زسگاں بدتر است
من ندیدم کہ سگی پیش سگی سر خم کر

مذکورہ چار مصرعوں پر اگر غور کیا جائے تو یہ بات اور بھی واضح ہو جاتی ہے کہ انسان ایک عقیدہ استوار کرنے کے فوراً بعد عبادت کی سمت راغب ہوجاتا ہے، ایسے میں اگر اس کی عقیدتی بنیادیں فرسودہ ہوتی ہیں تو یقیناً اس کی عبادتیں اسے آسودہ نہیں کرسکتیں چنانچہ وہ پہلے کی مانندہی حیران و پریشان رہتا ہے، یہ کون نہیں جانتا کہ فرسودہ اور مہمل عقیدتی بنیادوں سے حاصل ہونے والے احکام (commandments) کبھی بھی بالیدہ نتائج تک نہیں پہونچا سکتے، اور یہی عقائد واحکام کی فرسودگی انسانی زندگی کے تیسرے بنیادی اصول یعنی اخلاقی اقدار کو متزلزل کر دیتی ہے۔

اخلاقی قدروں کی شائستگی اور اس کے استحکام کے لیے ایسے معلمین اخلاق کی جستجو ضروری ہو جاتی ہے جو اپنی مثال آپ ہوں، جن کے یہاں پایا جانے والا عقیدہ، صرف عقیدہ نہ ہو بلکہ عین حقیقت ہو، جن کی عقیدتی بنیادیں بے بنیاد مفروضوں پر مشتمل نہ ہوں بلکہ حق وحقیقت کی آئینہ دار ہوں، ظاہر ہے ایسے میں ہر متجسس کی نگاہ خاندان عصمت و طہارت یعنی محمد و آل محمد علیہم الصلوٰۃ والسلام پر جا کرٹھہر جاتی ہے، کیونکہ اس خاندان نے ہر مقام و منزل پر اخلاقی قدروں کے شاہکار نمونے پیش کئے ہیں، وطن تو وطن غریب الوطنی میں بھی اخلاق و کردار کی ایسی مثالیں پیش کر دیں جس کی نظیر کہیں اور نہیں ملتی۔ مثال کے طور پر امام حسین علیہ السلام اور ان کے احباب و اقرباء نے سرزمین کربلا پر اخلاقی اقدار کے جو لازوال نقوش چھوڑے ہیں وہ رہتی دنیا تک چراغ راہ کی مانند

روشنی بکھیرتے رہیں گے۔

کربلا سے حاصل ہونے والی اخلاقی قدریں درحقیقت اسلامی تعلیمات کی تفسیر ہیں ، اس سرزمین پر امام حسین علیہ السلام اور ان کے احباب و اعزہ کے دس دن کے قیام نے اسلامی تہذیب و تمدن کی حقیقی اور مکمل تصویر پیش کردی اور مقابلہ پر آمادہ نام نہاد مسلمانوں کے چہروں کوبھی بے نقاب کرڈالا۔

کربلا میں داخل ہونے سے قبل ہی امام حسین علیہ السلام کا حرّ کے پیاسے لشکر کو سیراب کرنا اسلامی اخلاق کی ایک ایسی مثال تھی جو صرف اسی خاندان سے مخصوص ہے بلکہ یہ کہنا زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ تاریخ انسانیت میں ایسی مثالیں اسی گھرانہ کی دین ہیں،اس خاندان سے الگ ہٹ کراور واقعہ کربلا سے قبل کہیں بھی ایسی کوئی مثال نظرنہیں آتی جہاں دشمنوں کی سیرابی کا سامان فراہم کیا گیا ہو، امام حسین علیہ السلام کا یہ عمل درحقیقت اپنے بابا علی ان ابی طالب علیہاالسلام کے حسن عمل کی پیروی تھی، مولائے کائنات علیہ السلام نے تو اپنے دشمن ابن ملجم کو اس وقت سیراب کیا تھا جب اس نے آپ کے سر اقدس پر ضرب لگائی تھی اور گرفتار ہونے کے بعد خوف و دہشت سے لرز رہا تھا۔ا؎

کربلا کے جانبازوں میں پائی جانے والی اخلاقی قدروں کو اگر نام بنام جمع کیا جائے تو اسلامی اخلاق و آداب کی ایک مکمل کتاب سامنے آجائے گی ، اخلاق کا سیدھا سیدھا تعلق نفس و روح سے ہوتا ہے اور کربلا پاکیزہ روحوں اور مطمئنہ نفسوس کے عظیم اجتماع کا نام ہے ،قرآن مجید نے نفس مطمئنہ کی جوتعبیر پیش کی ہے کیا امام حسین علیہ السلام کے علاوہ کوئی اور بھی ہے جو اس کا مصداق ہو؟!

کربلا والوں میں جملہ اخلاقی فضائل وکمالات کے احصاء کے سلسلے سے آیت اللہ مظاہری فرماتے ہیں:

"بررسی تاریخ عاشورہ گواهی میدهد که نمی توان فضائلی از فضائل اخلاقی و خصائل نکوی انسانی یافت که در رفتار حضرت اباعبداللہ علیه السلام ویاران ایشان بروز و ظهور نیافته باشد۔" ۲؎

"تاریخ عاشورہ کا تجزیہ اس بات کی شہادت فراہم کرتا ہے کہ انسان کے اخلاقی فضائل اور

اس کی نیک خصلتوں میں سے کوئی فضیلت یا خصلت ایسی نہیں ہے جو امام حسین علیہ السلام اور ان کے احباب میں بدرجۂ اتم موجود نہ رہی ہو۔''

کربلا کو ایک تاریخ کے طالب علم ہونے کی حیثیت سے دیکھنے والوں نے بھی اس بات کا جابجا اقرار کیا ہے کہ امام حسین علیہ السلام اور ان کے تمام ساتھی جملہ فضائل و کمالات کا مجموعہ تھے۔

ایثار، فداکاری، صبر، مروت، شفقت، صلہ رحم، تواضع، مساوات، حلم و بردباری، وفا، عفو وچشم پوشی، خندہ پیشانی و کشادہ روئی، ایتام پروری، مہمان نوازی، امانتداری، درگزر، توکل و۔۔۔ اور نہ جانے کتنی ہی ایسی اخلاقی قدریں ہیں جو کربلا میں پوری آب وتاب کے ساتھ ظاہر ہوئیں، بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ کربلا کی سرزمین پر فضائل اور کمالات نے امام حسین علیہ السلام کے جانبازوں کی شکل میں وجودی پیکر اختیار کر لیا تھا۔

مساوات

کربلا کے جانبازوں پر اگر نظر ڈالی جائے اور امام حسین علیہ السلام کے سپاہیوں کی فہرست دیکھی جائے تو اس بات کا اندازہ ہو جائے گا کہ امام حسین علیہ السلام کی فوج عزیز و اقربائ، سرداران قبائل اور غلاموں پر مشتمل تھی، رؤسائے قوم اور غلاموں سے مرکب اس فوجی دستہ میں نابرابری کا تصور بھی نہیں پایا جاتا تھا، عام طور پر دنیا کے ہر طبقہ میں نابرابری کا تصور کسی نہ کسی شکل میں پایا جاتا ہے لیکن کربلا میں رحمۃ للعالمین □ کے نواسے کی رحمت آمیز نظر نے اس تصور کو یکسر ختم کر دیا تھا، چنانچہ تاریخ لکھنے والوں نے کبھی حبیبؑ اور جونؑ کو ایک دوسرے کے پہلو میں بیٹھا ہوا پایا تو کبھی جونؑ کا سر سرکار سید الشہدائ علیہ السلام کے زانو پر دیکھا۔

ایثار وفداکاری

امام حسین علیہ السلام نے جس عقیدتی اور تہذیبی بحران میں قیام فرمایا تھا وہ تاریخ اسلام کا نازک ترین دور تھا، عوام علم وعمل سے دور ہو گئے تھے، تعلیمات رسول اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بالائے طاق رکھا جا چکا تھا، حرص و ہوس کا بازار گرم تھا اور معاشرے میں مادہ پرستی کا اس قدر غلبہ تھا کہ معنویت و روحانیت جیسے الفاظ بے معنی ہو کر رہ گئے تھے چنانچہ امام حسین علیہ السلام نے امت رسول □ کی اصلاح اور مردہ دلوں کو بیدار کرنے کے لیے اپنی جان کی قربانی کا راستہ اختیار کیا، یہ

ایک ایسا نایاب طریقہ تھا جس نے پتھر دل افراد کو بھی سوچنے پر مجبور کر دیا ، ہر تحریک کا سربراہ اس کوشش میں ہوتا ہے کہ میری تحریک کامیابی سے ہمکنار بھی ہو جائے اور مجھے کوئی ضرر بھی نہ پہونچے مگر امام حسین علیہ السلام کی سربراہی کا انداز بالکل الگ تھا وہ خود قربان ہوجانا چاہتے تھے اور اپنے ساتھیوں کو بچانا چاہتے تھے ، آپ کے اس عمل کا گواہ آپ کا وہ خطبہ ہے جو آپ نے شب عاشور دیا تھا، امام علیہ السلام نے کچھ اس طرح خطبہ ارشاد فرمایا:

''میں بہترین طریقے سے خدا کا شکر ادا کرتا ہوں ، میں عافیت اور مصیبت دونوں میں اس کی حمد کرتا ہوں، خدایا میں تیرا شکر گزار ہوں کہ تو نے ہمیں پیغمبر جیسی نعمت سے نوازا ہمیں قرآن سکھایا اور ہمیں دین اور اس کے احکام کی سمجھ عطا کی، ہمیں آنکھیں ، کان اور دل دئے ہمیں شرک کی آلودگی سے پاک رکھا، ہمیں نعمتوں پر شکر کی توفیق بخشی، یہ حقیقت ہے کہ میں اپنے اصحاب سے زیادہ باوفا اور بہتر اصحاب، اور اپنے عزیزوں سے زیادہ صالح اور مہربان عزیزوں سے واقف نہیں ہوں، خدا تم سب کو جزائے خیر دے ، میرا خیال ہے کہ اب اس لشکر سے ہماری جنگ کا وقت آ گیا ہے، میں تم سب کو اجازت دیتا ہوں کہ یہاں سے چلے جاؤ، تم سب آزاد ہو کسی پر کوئی پابندی نہیں ہے، رات کی تاریکی سے فائدہ اٹھاؤ۔''[۳]

شیخ مفید، طبری اور ابولفرج سے لے کر ابن اثیر تک سب نے اس خطبہ کو نقل کیا ہے ،بعض جگہ تو یہ بھی نقل ہوا ہے کہ امام علیہ السلام نے اپنے ساتھیوں سے یہاں تک کہہ دیا کہ میں تمہاری گردنوں سے بیعت اٹھائے لیتا ہوں ، یعنی صاف ظاہر ہے کہ تحریک کربلا کا سربراہ صرف اپنی قربانی چاہتا تھا دوسروں کی نہیں ،قربانی ، ایثار اور فداکاری کا یہ وہ سبق ہے جو ہمیں صرف اور صرف کربلا سے ملتا ہے۔

امام حسین علیہ السلام اور ان کا ہر ساتھی ایثار و قربانی کے جذبوں سے سرشار تھا ، ہر مجاہد میدان شہادت سے میں دوسرے مجاہد پر سبقت حاصل کرنا چاہتا تھا اور ادھر امام حسین علیہ السلام بھی اصحاب و انصار کو اعزہ و اقارب سے پہلے صرف اس لیے جنگ کی اجازت دے رہے تھے کیونکہ وہ یہ چاہتے تھے احباب و انصار کے بالمقابل میرے رشتہ دار زیادہ سے زیادہ پیاس کی شدت برداشت کریں چونکہ یہ سب کو معلوم تھا کہ جس کی شہادت دیر سے ہوگی اسے اتنی ہی زیادہ پیاس برداشت کرنی پڑے گی۔

عفو وچشم پوشی

جناب حرؑ کے ساتھ امام علیہ السلام کے طرز عمل نے عفو و درگزر، چشم پوشی اور خندہ پیشانی کی جو مثال قائم کی ہے وہ ڈھونڈھے سے نہیں ملتی، وہ شخص جو امام حسین علیہ السلام کو سرزمین کربلا تک گھیر کر لانے کا مجرم ہو اس کے استقبال کے لیے اپنے دل کے ٹکڑے علی اکبر علیہ السلام اور علمدار لشکر حضرت عباس علیہ السلام کو بھیجنا ایک ایسا عمل تھا جو اعلیٰ ظرفی کا درس دے رہا تھا، اور پھر جیسے ہی حرؑ امام علیہ السلام کے سامنے آتے ہیں اور اپنا سر امام علیہ السلام کے قدموں میں ڈالتے ہیں تو آپ کا جھک کر جناب حرؑ کو اٹھانا اور گلے سے لگانا اور اس بات کی معذرت پیش کرنا کہ ''اے حرؑ تم ایسے وقت میں مہمان ہوئے جب میزبانی کے لیے حسینؑ کے پاس پانی بھی نہیں ہے''، یقیناً یہ وہ اقدار ہیں جو صرف رسول □ کے وارثوں کے یہاں پائے جاتے ہیں۔ یہ امام حسین علیہ السلام کا حسن خلق ہی تھا جس نے حرؑ کو ایسا منقلب کیا کہ جب وہ یزیدیوں کے مقابلہ پر آئے تو کچھ اس انداز میں آل رسول □ کی حمایت کا اعلان کرتے ہوئے نظر آئے ؎

انّی انا الحر وما وی الضیف
اضرب اعناقکم بالسیف
عن خیر من حل بارض الخیف
اضربکم ولا اری من حیف

''اے اہل کوفہ و شام! آگاہ ہو جاؤ کہ میں حر بن یزید ریاحی ہوں، مہمانوں کا ملجا و ماویٰ ہوں، اپنی تلوار سے تمہارے سر جدا کروں گا اور حمایت کروں گا فرزند رسول کی۔''۴؎

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر

معاشرتی اقدار کو مستحکم بنانے میں کربلا کے جس عظیم درس نے سب سے اہم کردار ادا کیا، وہ ''امر بالمعروف اور نہی عن المنکر'' ہے۔ امام حسین علیہ السلام نے مدینے سے نکلتے ہی کربلا جانے کے مقصد کو یہ کہہ کر واضح کر دیا تھا:

''ما خرجت اشراً ولا بطراً ولا ظالماً ولا مفسداً وانما خرجت لطلبِ الإصلاح فی امةِ جدی رسول اللّٰہ □ کی آمر بالمعروف و انهی عن المُنکَر''۵؎

''نہ میں شروطغیان کے لیے نکلا ہوں نہ تمکنت وظلم وفساد کی خاطر، بلکہ میں اپنے نانا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت کی اصلاح کے لیے نکلا ہوں تاکہ اچھائی کی ترغیب دلاؤں اور برائیوں سے روک سکوں۔''

سرکار سید الشہداء علیہ السلام کا یہ پاکیزہ مقصد کسی بھی معاشرہ کی moral values کو سب سے بہتر بنانے کے لیے بے حد کارآمد ہے،معاشرہ میں پائی جانے والی برائیوں کی تاریکیاں چاہے جتنی پھیلی ہوں لیکن جیسے ہی ''نہی عن المنکر'' کے چراغ روشن ہوتے ہیں شر آمیز ظلمتوں کا دم گھٹنے لگتا ہے ، خیر ومعروف کو نظر انداز کرنے والے خودغرض افراد اسی وقت تک اپنے نفس کو دھوکا دے سکتے ہیں جب تک کوئی انہیں ان کی فطرت کی طرف بلانے والا نہ ہو، وہ اسی وقت تک خواب غفلت میں ہونے کا بہانہ کر سکتے ہیں جب تک کوئی جگانے والا نہ ہو،لیکن جیسے''امر بالمعروف اور نہی عن المنکر'' کا سورج معاشرہ میں اپنی چمک بکھیرنے لگتا ہے خیر اپنی نورانیت سمیت نفوذ پانے لگتا ہے اور شر اپنی ظلمتوں سمیت نابود ہونے لگتا ہے ۔

امام حسین علیہ السلام سے نفرت وکدورت صرف انہیں افراد کو تھی جو برائیوں کے دلدل میں غرق تھے اور کسی طرح بھی یہ نہیں چاہتے تھے کہ لوگ خیر کی سمت آئیں ،کیونکہ لوگوں کا خیر اختیار کرنا اور شر سے دور رہنا ان سے دوری اختیار کرنے کا سبب ہو جاتا، چنانچہ شر پسندوں نے امام علیہ السلام کو روکنے کی ہر ممکن کوشش کی،لیکن امام حسین علیہ السلام دین نبیؐ کے حقیقی وارث تھے ، پھر یہ کیسے ممکن تھا کہ ان کی موجودگی میں شر سر اٹھائے اور وہ خاموش رہیں،لہٰذا امام علیہ السلام نے کربلا کی سرزمین پر وہ چراغ جلایا جس کی روشنی آج بھی شر پسندوں کی آنکھوں کو خیرہ کر رہی ہے۔

آج معاشرہ میں پائی جانے والی بے شمار برائیوں کی طرف انگشت نمائی کے لئے وہی طریقۂ کار سب سے زیادہ بہتر ہے جو امام علیہ السلام نے اختیار کیا تھا، دور حاضر میں اگر ہم معاشرہ کے امراض پر نگاہ ڈالیں تو بے پردگی، بے حیائی، غیبت ،تہمت، جھوٹ، غصب، شراب نوشی ،فسق و فجور اور فحاشی کو عام کرنا جیسے امراض معاشرہ کو روز بروز کمزور کرتے جارے ہیں اور ایسے ناگفتہ بہ حالات میں ہر حسینی کا یہ فرض ہے کہ اپنی تحریر ،تقریر اور تدبیر سے ہر ممکن کوشش کرے تاکہ ''کربلائی اقدار'' قائم رہ سکیں ۔

صبر و رضا

تاریخ کربلا میں جس اخلاقی صفت نے ہر خاص و عام کو اپنی سمت متوجہ کیا وہ صفت ''صبر و رضا'' ہے ، یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ اس صفت کو کما حقہ شہرت کربلا والوں ہی کے طفیل نصیب ہوئی۔ کربلا کے ہر مجاہد میں یہ صفت اپنے تمام و کمال معنی میں موجود نظر آتی ہے ، اصحاب و انصار، اعزہ و اقارب ، بڑے، چھوٹے ، خواتین اور مرد کوئی بھی ایسا نہ تھا جس نے صبر کے عظیم امتحان کو کامیابی سے سر نہ کیا ہو۔ غریب الوطنی پر صبر، بھوک اور پیاس کی شدت پر صبر، دشمنوں کے ناروا سلوک پر صبر ، بے سر و سامانی پر صبر ، بے پردگی پر صبر، اپنے جگر کے ٹکڑوں کی لاشوں پر صبر، لاشوں کی پامالی پر صبر اور نہ جانے کیسے کیسے دلسوز اور المناک حادثات و واقعات پر کمال صبر کا مظاہر کرتے ہوئے کربلا کے جیالوں نے دشمن کو ایسی شکست دی کہ آنے والی نسلوں میں صبر ایک اسلحہ کے طور پر جانا اور مانا جانے لگا، امام حسین علیہ السلام کے ساتھی یہ بات اچھی طرح جانتے تھے کہ خدا کی اطاعت میں مصیبتیں اٹھانا اور اس پر صبر کرنا ہی عبادت ہے اور اگر یہ سب کچھ حسین علیہ السلام جیسے آقا و مولا کے پہلو میں ہو تو اس سے بہتر اطاعت اور کیا ہوسکتی ہے، وہ آقا جس کا خود یہی نظریہ ہو کہ:

''راس طاعۃ اللّٰہ الصبر و الرضا عن اللّٰہ۔۔۔''[۶]

''اطاعت الٰہی کا بہترین نمونہ صبر و رضا ہے''

حسینی اخلاق سے خود کو آراستہ کرنا درحقیقت اپنی عزت نفس میں اضافہ کا سبب ہے ،آج ساری دنیا کی نگاہیں اسی قوم پر مرکوز ہو چکی ہیں جو امام حسین علیہ السلام کے نام پر اپنی مجلسیں آراستہ کرتی ہے، اور کربلائی اقدار کو اپنانے کی کوشش کرتی ہے، آخر کیوں دنیا بھر کے نام نہاد super powers کی جملہ پابندیوں کے بعد بھی ایرانی قوم کی تہذیب اور ان کا تمدن دنیا کو حیران کئے دے رہا ہے، شاید اس کا صرف ایک ہی جواب ہے کہ اس قوم نے وہ راستہ اختیار کرنے کی کوشش کی ہے جو کربلائی ہے ، یہ قوم دنیا بھر کی جنگوں اور اس کے جنگجوؤں میں دلچسپی نہیں لیتی ، بلکہ اس قوم کا اسوہ کربلا کے لوگ ہیں ، وہ لوگ جنہوں نے ایک مثالی جنگ پیش کی ، ایسی جنگ جس کا نمونہ سن ۶۱ ہجری کے بعد پھر کبھی نظر نہیں آیا۔

اس بات کا اعتراف کرتے ہوئے کہ کربلا سے ملنے والے اخلاقی دروس و اسباق

بے پایاں ہیں اور ہم اس مختصر سے مقالے میں سب کا احصاء کرنا تو دور فہرست بھی نہیں بیان کر سکتے ، خدا کی بارگاہ میں دعا کرتے ہیں کہ وہ ہم سب کو کربلائی اخلاق اپنانے کی توفیق عنایت فرمائے (آمین)

حوالے:

۱۔ الاخبار الطوال،ص ۳۶۰ نقل از چودہ ستارے ،نجم الحسن کراروی ،ص ۱۷۴

۲۔ نقل از پائگاہ اطلاع رسانی آیت اللہ مظاہری ، www.tebyan.net

۳۔ ڈاکٹر ابراہیم آیتی ،تاریخ عاشورہ ،مترجم :مستجاب احمد انصاری ص ۱۳۴

۴۔ علاّمہ مجلسی ،بحار الانوار (اردو ترجمہ،طیب آغا جزائری، ج۱،ص۲۳۱)

۵۔ علاّمہ مجلسی ،بحار الانوار، ۴۴، ۳۲۹، باب ۳۷ ماجری علیہ بعد بیعۃ الناس

۶۔ اصول کافی ، جلد ۲ ص ۶۰: باب الرضا بالقضائ،